اسلام میں قرضِ حسنہ کی حیثیت

مولانا مبشر احمد، لاہور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم.

قرض کے لغوی معنی:

قرض "اِقْرَاضٌ" سے ماخوذ ہے۔ قرض دینا۔(۱) باب ضرب سے قَرَضَ یَقْرِضُ. کسی کو بدلہ دینا۔ باب سَمِعَ سے۔ مرجانا۔(۲)

۲۔ القرض هو القطع فی اللغة سمی هذا العقد قرضا لما فیه قطع طائفة من ماله. (۳)

ترجمہ: قرض کا معنی ہے علیحدہ کرنا اور اس کو قرض اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بھی مال کا ایک حصہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔

۳۔ (هو) لغة ما تعطیه لتقتاضاه (۴)

ترجمہ: وہ مال جس کو تو واپسی کی شرط کے ساتھ دیتا ہے۔

قرض کی شرعی تعریف:

هو عقد مخصوص یرد علی رفع مال مثلی لاخر لیرد مثله (۱)

یعنی قرض وہ خاص معاملہ ہے جس میں مُقْرِض (قرض دینے والا) مُسْتَقْرِض (قرض لینے والے) کو ایسا مال دیتا ہے جس کی ہم مثل موجود ہے تاکہ اس سے وصولی کے وقت اس جیسی چیز وصول کر سکے۔

۲۔ وہ احسان یا عطیہ جو پہلے کیا جائے یا وہ مال جو مقررہ میعاد کے بعد واپسی کی شرط سے دیا جائے۔(۲)

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

قرض اور دَین میں فرق:

دَین عربی میں عین کے مقابلے میں آتا ہے۔ نقد کے لئے عین اور ادھار کے لئے دَین بولا جاتا ہے۔ اور اس سے مقصود کاروبار اور لین دین میں ادھار کا معاملہ کرنا ہے۔ خواہ قیمت ادھار ہو یا چیز ادھار ہو۔

۲۔ الدین ما وجب فی الذمۃ بعقد او استھلاک (۳)

ترجمہ: دین وہ مال ہے جو کسی کے ذمہ عقد (بیع وشراء) کے سبب لازم ہوا ہو یا کسی کا مال ہلاک اور ضائع کر دینے کے سبب لازم ہوا ہو۔

اور قرض یہ ہے کہ ایک کا دوسرے سے صرف اور خرچ کے لئے مال مثلی لینا۔ جیسے نقد روپے لینا، گندم لینا، اس شرط پر کہ اسی جیسا واپس کرے گا۔ مال دینے والا مُقْرِضْ اور لینے والا مُسْتَقْرِضْ اور مال قرض کہلاتا ہے۔

قرض میں قبضہ شرط ہے، دَین میں قبضہ شرط نہیں۔ دَین میں مدت مقرر کی جاتی ہے قرض میں مدت مقرر نہیں کی جاتی۔

لزم تاجیل کل دین ان قبل المدیون (۴)

ترجمہ: ہر دین میں مدت مقرر کرنا لازم ہے بشرطیکہ مدیون اس کو قبول کرے۔

۲۔ قرض میں قانونی نقطہ نظر سے دو باتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ ایک حیثیت میں قرض عاریت ہوتا ہے کیونکہ اس میں دوسرے سے ہمدردی اور خیرخواہی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے اس میں معاوضہ کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ کیونکہ مال حفاظت کی خاطر نہیں بلکہ واپسی کی خاطر لیا گیا ہے اور مقصد قرض کے ذریعہ قرض دار کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔

قرضِ حسنہ کی تشریح:

قبل اس کے کہ قرض کے احکام تحریر کئے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ کے عنوان (قرضِ حسنہ) کی وضاحت کر دی جائے کہ کتاب وسنت میں قرضِ حسنہ کے کیا معانی ہیں۔

۱. مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (۱)

ترجمہ: کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس کو بڑھائے گا اور اسے اچھا

بدلہ دے گا۔

۲. اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ. (۲)

ترجمہ: بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور قرض دو اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا دوگنا کیا جائے گا ان کے لئے اور ان کو اچھا بدلہ دیا جائے گا۔

۳. وَ اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا وَّاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O (۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو اور جو مال تم اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس پالوگے وہ بہتر اور بڑے اجر کی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۴. لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْھُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ. (۱)

ترجمہ: اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو تو میں تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا۔ اور تمہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

۵. اِنْ تُقْرِضُو اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ وَ یَغْفِرْلَکُمْ وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ O (۲)

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو تو وہ تمہارے لئے اس کو دگنا کرے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ قدر دان اور بردبار ہے۔

یہ وہ آیات ہیں جن میں قرض حسنہ کی ترغیب اور فضیلت بیان ہوئی ہے اب سوال یہ ہے کہ قرض حسنہ سے کیا مراد ہے؟ تو شیخ محمد بن احمد القرطبی اپنی مایۂ ناز تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

فیہ ثلاثۃ اوجہ احدھا انہ یرید سائر الصدقات ثانیھا یرید اداء الزکوۃ علی احسن وجہ وھو اخراجھا من الطیب الاموال و اکثرھا نفع الفقراء و ابتغاء وجہ اللہ والصرف الی المستحق و ثلثھا یرید کل شئی یفعل من الخیر مما یتعلق بالنفس

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

والمال (۳)

ترجمہ: اس میں تین توجیہات ہیں۔(۱) اس سے مراد تمام صدقات ہیں۔(۲) اس سے مراد زکوٰۃ کو اچھے طریقے سے ادا کرنا ہے اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ حلال مال سے ادا کرے اور جس سے فقراء کو زیادہ نفع ہو وہ مال دے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے اور مستحق پر خرچ کرے۔(۳) اس سے مراد ہر نیک عمل ہے خواہ وہ نفس کے ساتھ ہو یا مال کے ساتھ۔

۲۔ شیخ محمود آلوسی (۱) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرضِ حسنہ کا معنی ہے بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا اور بعض نے کہا صدقِ دل کے ساتھ اور صدقات نافلہ جس چیز سے بھی ہو۔ پس وہ استعارہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے ثواب اور جزاء کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کو قرض کے ساتھ تشبیہ دیا ہے اس لئے کہ وہ اس کی مثل بدلہ دے گا اور قرض حسنہ وہ ہوتا ہے جو خوش قلبی کے ساتھ مال خیرات کیا جائے اور بعض نے کہا جس کے بعد احسان جتانا، اور تکلیف پہنچانا نہ ہو اور بعض نے کہا جو حلال مال سے صدقہ دیا جائے وہ قرضِ حسنہ کہلاتا ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

خدا کو قرض دینے سے مراد اس کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں مال خرچ کرنا ہے۔ جس طرح روپیہ قرض دینے والا اس امید پر دیتا ہے کہ اس کا روپیہ واپس مل جائے گا اور قرض لینے والا اس کے ادا کرنے کو اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے۔ اسی طرح خدا ہی کی دی ہوئی چیز یہاں اس کے راستہ میں خرچ کی جائے گی وہ ہرگز گم نہیں ہوگی۔ حق تعالیٰ نے کسی مجبوری سے نہیں محض اپنے فضل و رحمت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے کہ وہ تم کو عظیم الشان نفع کی صورت میں واپس کر دے اور قرضِ حسنہ سے مراد یہ ہے کہ اخلاص سے دو اور اپنے محبوب اور مرغوب اور پاک و صاف مال میں سے دو۔(۲)

زکوٰۃ اور قرضِ حسنہ میں فرق:

زکوٰۃ کا ادا کرنا قانونی طور پر ضروری ہے لیکن قرضِ حسنہ سے مقصود ہے دین کی برتری اور رفاہِ عام کے سارے اجتماعی کاموں کے لئے انفرادی ذمہ داری کے ساتھ اجتماعی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ وقت کے ملی تقاضوں اور مطالبات کو پورا کرنے کے لئے رضا کارانہ طور پر

اپنے ملکی سرمایہ سے کچھ وقف کرنا تاکہ جماعتی مقاصد کو پورا کیا جاسکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مال کی متعینہ زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد بھی ایک مسلمان دین کے مالی مطالبات سے سبکدوش نہیں ہوتا اور اب بھی اس کی دولت میں حق باقی رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں کے اخلاقی احساسات معاشرے کی بھوک اور ناداری پر قابو نہ پا رہے ہوں یا دین کی حفاظت اور نصرت کا فرض ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ایسی حالت میں قرضِ حسن یقیناً اخلاقی سے قانونی شکل اختیار کر لے گا اور اس دفعہ کی رو سے اسلامی حکومت مجاز ہو گی کہ وہ غریب اور نادار شہریوں کی ضرورتوں اور دین کے مفاد کی خاطر مال داروں پر مزید بار ڈالے۔

فقہاء کی اصطلاح میں جس چیز کو فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کہا جاتا ہے اسی کو ہم نے قانونی اور اخلاقی ذمہ داری سے تعبیر کیا ہے۔ زکوٰۃ ان کے یہاں فرضِ عین ہے تو قرضِ حسن فرضِ کفایہ۔ (۱)

بقا اور فناء کا فلسفہ:

یا یوں تعبیر کر لیجئے کہ قرضِ حسنہ انسانیت کی بقاء کا پیش خیمہ ہے کیونکہ یہ ایک سخاوت ہے جو دل کی شجاعت اور حوصلہ کی بلندی چاہتی ہے طبیعت میں بے نیازی پیدا کرتی ہے دوسروں کی ضرورتوں کا احساس، ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا سخاوت اور جود و کرم کی اصل روح ہے۔ یہ روح کارفرما ہوتی ہے تو ہمدردی، غم خواری، رحم اور خدمتِ خلق کے جوہر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یعنی انسانیت کا جوبن نکھرتا ہے، شرافت کا علم بلند ہوتا ہے، میل ملاپ اور محبت کی فضا ہموار ہوتی ہے، سخاوت اگر کارفرما ہو تو طبقاتی جنگ کی نوبت نہیں آتی۔ کیونکہ دولت مند طبقہ ہمدرد اور غمگسار ہوتا ہے اور غریب و نادار اس کے وفادار و جاں نثار ہوتے ہیں اور اس طرح ایک نظم و ضبط پیدا ہو جاتا ہے جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہوتا ہے جو معاشرہ اور سماج کو اطمینان کی دولت بخشتا ہے۔ جس میں ایک دوسرے سے نفرت اور بغض نہیں بلکہ محبت اور باہمی اعتماد کی نعمت میسر آتی ہے اور جب محبت اور اعتماد و تعاون کی کلیاں چٹختی ہیں تو معاشرہ اور سماج رواداری اور شریفانہ اخلاق کا گلدستہ بن جاتا ہے۔ یہی تہذیب بہیمیت اور حیوانیت کو کچلتی ہے اور شرافت و آدمیت کو سربلند کرتی ہے جس سے رب العالمین کی نیابت و خلافت کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے اور دنیائے پرُحسن جنت نشان بن جاتی ہے۔ (۱)

سخاوت کے مقابل میں بخل ہے، جو طمع، تنگ نظری، خود غرضی، بزدلی، بے رحمی، سنگدلی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، رشوت، خیانت اور سود جیسے زہریلے جراثیم پیدا کرتا ہے جو انسانوں کی معیشت کو تباہ کرتے ہیں اور ان کی خوش حالی کے لئے اژدھا بن جاتے ہیں۔

سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل:

اسلام اس حقیقت سے آنکھ بند نہیں کرتا کہ دولت صرف ایک معمل ایک آلہ ہے اصل چیز دولت نہیں بلکہ عمل اصل ہے۔ چشمۂ شیریں کے پانی سے آپ لالہ زار کو شاداب کر کے سبنل و ریحان کے تختے اور خیابان بھی تیار کر سکتے ہیں اور خارستان کے خاردار جھاڑیوں کو بھی دھاردار اور نوکیلے بنا سکتے ہیں۔ نتیجہ کا تعلق آپ کے عمل سے ہے۔ اصلاح یہ نہیں کہ پانی کو خشک کر دیں۔ یا لالہ زار کی بجائے کسی خندق میں بہائیں۔ اصلاح یہ ہے کہ کانٹوں سے نفرت دلائیں اور گل و غنچہ کی محبت بڑھائیں۔ اسلام اصلاح کی یہی صورت پیدا کرتا ہے کہ وہ جود و سخا کے گلشن اور چمن کو زکوٰۃ، خیرات، صدقات، قرضِ حسنہ اور وقف سے آبیاری کرتا ہے اور انسانیت کی بقاء و حفاظت کے وہ لازوال ذرائع و اسباب مہیا کرتا ہے کہ انسانیت، حیوانیت سے ملکوتیت کے جوہر کے ساتھ آراستہ اور پیراستہ ہو جاتا ہے تو گویا قرضِ حسنہ انسانی معیشت کے لئے ایک پل ہے اس کے ذریعہ ہم اپنی زندگی کی منزل مراد پا سکتے ہیں۔

قرآنِ حکیم اسی نقطہ کو سامنے رکھتا ہے اور فنا و بقا کے فلسفہ کو ذہن نشین کرا کے اس حقیقت کا یقین پیدا کراتا ہے کہ دولت کا بقا تجوریوں میں بند کرنے اور زمین دوز خزانوں میں دفن کرنے سے نہیں بلکہ اس کے بقا کی صورت یہ ہے کہ اس پر انفاق فی سبیل اللہ کا عمل زیادہ سے زیادہ کیا جائے۔ بینک بیلنس آپ کا کتنا ہی زیادہ ہو اس سے آپ کو قوت حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی آپ کا سرمایہ محفوظ رہ سکتا ہے بلکہ اس بچت کو ایسے بینک میں محفوظ کرایا جائے جس کا محافظ حقیقی نگران ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ . (النحل: ع ۱۳)

جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

فی سبیل اللہ بینک:

آپ بینک میں رقم ڈیپازٹ کراتے ہیں کہ رقم محفوظ رہے اور اس کا انٹرسٹ (سود)

آپ کو ملتا رہے لیکن ڈیپازٹ رقم آپ کی کب تک ہے۔ اپنی دانست میں آپ نے بڑی دوراندیشی سے کام لیا کہ زندگی کا بیمہ کرادیا۔ مگر کیا بیمہ قضاء وقدر کے فیصلہ میں کوئی تبدیلی کرسکتا ہے؟

عدالت نے کسی کو دیوالیہ قرار دے دیا ہے تو وہ کسی وقت دولت مند بن بھی سکتا ہے لیکن جس کو قضاء وقدر نے دیوالیہ قرار دے دیا جو دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہوا وہ کبھی دولت مند نہیں بن سکتا۔ البتہ اگر آپ نے قرآنِ حکیم کے اصول پر اپنی زندگی کا بیمہ کرالیا تو آپ کی دولت پر کبھی زوال نہیں آسکتا۔ یہ دولت دن بدن بڑھتی ہی رہے گی۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا. (۱)

ترجمہ: اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے اللہ تعالیٰ کے پاس بہتر بدلہ اور زیادہ اجر ہے۔

ڈیپازٹ رقم پر آپ کو دس فیصد سود ملتا ہے لیکن جو رقم آپ فی سبیل اللہ بینک میں جمع کراتے ہیں اس کے نفع کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

قرآنِ حکیم کی وضاحت یہ ہے کہ جو رقم آپ فی سبیل اللہ کے بینک میں جمع کراتے ہیں اس کو صرف کھاتہ میں درج نہیں کر دیا جاتا بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کو تخم بنا کر ایک زرخیز کشت زار میں بو بھی دیا جاتا ہے۔ زرخیز زمین ایک گیہوں کی نال پر سات بالیں آجاتی ہیں اور ایک ایک بال میں سو سو دانہ ہوتے ہیں تو ایک دانہ سے سات سو دانہ بن جاتے ہیں۔ یعنی انٹرسٹ (نفع) ستر ہزار فیصد ہو جاتا ہے۔ (۱)

لیکن یہ شرط ہے کہ دولت مند جو امداد کرلے اس میں خودغرضی کا شائبہ تک نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کو کبھی زبان پر بھی نہ لائے جس سے غریب اور ضرورت مند کو کمتری کا احساس ہو۔ یا کوئی ذہنی اور دماغی کوفت ہو۔

دنیا کے دوسرے نظاموں سے موازنہ:

گفتگو بہت طویل ہوگئی اب دنیا کے دوسرے نظاموں سے موازنہ بھی کیجئے۔

۱۔ سرمایہ داری کا دشمن اسلام بھی ہے اس کو سرمایہ داری سے انتہائی نفرت ہے مگر وہ سرمایہ داری کو اس لحاظ سے اچھا بھی سمجھتا ہے کہ اس میں انسانی زندگی کی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے اور وہ

سرمایہ دار اللہ کو بہت پسند ہے جو اپنے سرمایہ سے غریب نادار، مزدور طبقہ لوگوں کی معیشت کو سنبھالا دیتا ہے اور اپنے سرمایہ میں حق سائل اور محرومین کو ادا کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ط (۲)

ترجمہ: اور ان کے سرمایہ میں مانگنے والے اور محروم طبقہ لوگوں کے لئے حق معلوم ہے۔

۲۔ ایسے تمام پروگرام اسلامی نظر میں نا قابل برداشت ہیں جن سے امیر اور غریب میں طبقاتی جنگ یا باہمی نفرت پیدا ہو۔ اسی لئے وہ سرمایہ کو کسی نہ کسی شکل میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ زکوٰۃ و خیرات، قرضِ حسنہ، وقف، ہدیہ وغیرہ۔

۳۔ انسان کو اپنی حقیقت اور فنا و بقا کا فلسفہ یاد کرا کر سرمایہ دار اور دولت مند کو یقین دلاتا ہے کہ غریب اور ضرورت مند کی امداد خود اس کی اپنی امداد ہے۔ یعنی اس کا نفع دوسروں سے زیادہ خود اس کو پہنچ رہا ہے۔

مالی نظام کے اسلامی اصول:

۱۔ سورۃ مزمل نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ پہلے حصہ میں فرعونیت (ملوکیت) کے مقابلے کا ذکر ہے۔ دوسرے حصہ میں احکام یعنی نماز، زکوٰۃ اور قرضِ حسنہ کا۔ اس میں خدا پرستی کا صرف ایک حکم ہے نماز پڑھو۔ لیکن دولت کے متعلق دو حکم ہیں۔ زکوٰۃ اور قرضِ حسنہ۔

۲۔ سورۃ علق کے پہلے حصہ میں آغاز وحی کا ذکر ہے دوسرے حصہ کا پہلا فقرہ ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰی. اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی

یعنی بے شک انسان حد سے نکل رہا ہے اس پر کہ وہ دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی (دولت مند) ہو گیا ہے۔

۳۔ سورۃ مدثر سب سے پہلی سورۃ ہے جس میں آپ کو دعوت و تبلیغ کی ہدایت دی گئی۔ اس میں یہ حکم ہے کہ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کسی پر اس غرض سے احسان نہ کر کہ اس سے زیادہ حاصل کرنا مقصود ہو۔ یعنی معاوضہ کے حاصل کرنے کے لئے کسی پر احسان نہ کرو۔

۴۔ مکی سورتوں میں سورۃ البلد کا مطالعہ فرمائیے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ يَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ

يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (۱)

ترجمہ: آپ کو معلوم ہے گھاٹی کیا ہے جس سے گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ کوئی گردن چھڑانا (یعنی) غلام خرید کر آزاد کرنا، یا مقروض کا قرض اُدا کر دینا، یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی مٹی میں ملنے والے مسکین کو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھوں اور کانوں اور زبان والا اس لئے بنایا ہے کہ وہ ہر ضرورت مند کی امداد کرے خواہ عزیز و قریب ہو یا اجنبی۔

۵۔ سورۃ الھمزۃ بھی مکی دور کی سورۃ ہے یہ پوری سورۃ سرمایہ داری کے خلاف اس شدت سے گرج رہی ہے کہ انقلاب پسندوں کے تمام لٹریچر میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

ترجمہ: تباہی اور بربادی ہے ہر اس شخص کے لئے جو اپنی دولت اور سرمایہ کے زعم میں دوسروں کو طعنہ دیتا ہے، ان میں عیب نکالتا ہے، جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال صدا رہے گا، ہرگز نہیں۔ یقین رکھو ایسی آگ میں ڈالا جائے گا کہ اس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ آپ کو کچھ معلوم ہے وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیا ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے، جو دلوں تک پہنچے گی اور ان پر بند کر دی جائے گی لمبے لمبے ستونوں میں۔" (۱)

۶۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حرم کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے مجھے آتے دیکھا تو فرمایا:

هم الاخسرون و رب الكعبة يوم القيمة

رب کعبہ کی قسم قیامت کے روز یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ میں رہیں گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ الفاظ سنے تو لرز گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ شاید یہ میرے بارے میں نازل ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کن کے متعلق یہ ارشاد ہو رہا ہے؟

فرمایا کہ وہی جن کے پاس دولت زیادہ ہے۔ پھر ہاتھ پھیلا کر دائیں بائیں ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ اس خسارے سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہو سکتے ہیں جو اس طرح دونوں ہاتھ بڑھا کر سامنے دیتے ہیں، دائیں دیتے ہیں، بائیں دیتے ہیں۔ (۲)

بہرحال اسلام جس کو قرض کہتا ہے اس کا اثر تو یہ ہوتا ہے کہ دولت مند کی ابھری ہوئی سطح

پست ہو جائے۔ کیونکہ اس قرض میں بھی پوری دولت کا بھی مطالبہ ہو جاتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ○ قُلِ الْعَفْوَ (۱)

آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیں جو کچھ افزود ہے سب خرچ کرو۔

اس سے غریب کی غربت ختم ہوتی ہے اور حاجت مند کی حاجت پوری ہوتی ہے اور پسماندہ طبقہ پروان چڑھتا ہے۔ لیکن سرکاری قرضوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ امیر زیادہ امیر اور غریب زیادہ غریب ہو جاتا ہے۔ صاحب دولت کی دولت خدا کے نام پر خزانہ سے نکل کر گردش کرے گی تو ظاہر ہے دولت مند کو اس دولت سے دنیا میں کچھ فائدہ حاصل ہوگا تو عوام اور غریب طبقہ کو بہت فائدہ ہوگا وہ یہ کہ ان کی اقتصادی سطح بلند ہو جائے گی۔ اس طرح امیری اور غریبی کے درمیان مسافت اعتدال پر آ جائے گی۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قرضِ حسنہ مانگا ہے تاکہ اس کے سب بندے سکون و چین کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندوں پر خرچ کو اپنے نفس پر خرچ سے تعبیر فرمایا ہے۔

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک شخص سے فرمائیں گے اے بندۂ خدا میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ میں ننگا تھا تو نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی؟ وہ شخص کہے گا اے اللہ تعالیٰ تو تو ان چیزوں سے پاک ہے۔ تو جواب ملے گا۔ تیرے پاس میرا فلاں بندہ بھوکا آیا تھا اس نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اس کو کھانا نہ دیا۔ اگر تو اس کو کھانا دیتا تو گویا مجھے کھانا دیتا۔ اگر اس کو کپڑا دیتا تو گویا مجھے کپڑا دیتا وغیرہ وغیرہ۔ (۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس سے تعبیر کیا ہے اور اسی کا نام قرضِ حسنہ رکھا ہے اور قرض کا معاوضہ اپنے ذمہ لازمی کیا ہے۔ اس قرض سے عوام کی ضرورت پوری ہو رہی ہے، ان کی سطح بلند ہو رہی ہے۔ اور اہل ثروت کا اخلاقی فرض ادا ہو رہا ہے۔ خودغرضی اور سنگدلی کے بجائے آپس میں محبت، ہمدردی اور احترام کے جذبات بڑھ رہے ہیں۔

اسبابِ فرمانروائی و محبت:

محبت روحانی تعلیم سے پیدا ہوتی ہے۔ ماں باپ کی محبت فطری ہوتی ہے لیکن سماج اور معاشرے کا ہر ایک فرد دوسرے کا ماں باپ نہیں ہوتا۔ اس میں برابر کے بھائی بہن بھی ہوتے ہیں۔

اور ایسے اجنبی بھی ہوتے ہیں جن سے خون کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ یا اگر ہوتا ہے تو بہت دور کا ہوتا ہے۔ محبت اور انسیت ثمرہ ہوتا ہے احسان کا، نتیجہ ہوتا ہے لطف و کرم کا، ایثار و قربانی کا، داد دہش اور سخاوت کے پودوں پر محبت کے پھول کھلا کرتے ہیں۔ ہدیہ و تحفہ کی ڈالیوں پر عنایت و شفقت کے غنچے چٹخا کرتے ہیں۔

لیکن اس طرح کے سماج کی تشکیل و تخلیق میں جو چیز بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے وہ انفاق ہے یعنی اپنی دولت کو خرچ کرنا اور یہی خرچ دوسرے کو متاثر کرتا ہے۔ اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کر جب دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھا جائے تو اس کا ثمرہ جذبہ شکرگزاری ہوگا جو شکرگزار جاں نثار بھی ہوسکتا ہے اور احسان کرنے والا قدرتی طور پر فرمانروا بھی بن جاتا ہے۔ الانسان عبدالاحسان. انسان احسان کا بندہ ہے۔

خسارہ پورا کرنے والا آمدنی کا ایک مد

قرضِ حسنہ آمدنی کی ایک ایسی مد ہے جس سے ملک کے بجٹ کا خسارہ پورا کیا جا سکتا ہے۔ ہر سال ملک میں خسارے کے بجٹ کا اعلان ہوتا ہے مگر قرضِ حسنہ ایک ایسی اسلامی دفعہ ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے منافع کا بجٹ پاس ہوا کرے گا۔ سورۃ انفال: آیت ۶۰، سورۃ محمد: آیت ۲۸، سورۃ بقرہ: آیت ۱۹۵۔ اس پر شاہد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قرضِ حسنہ دیتے ہیں دس گنا سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ اب بتایئے آمدنی جب دس گنا سے زائد بڑھ جائے گی تو خسارہ کیسے ہوگا؟

ہماری حکومتیں بھی قرض لیتی ہیں جن کا سود بھی ادا کرتی ہیں مگر اس قرض کا بوجھ ملک کے غریب عوام جو ٹیکس دینے والے ہوتے ہیں ان پر پڑ جاتا ہے۔ جن سے عوام کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے اور زندگی تنگ ہو جاتی ہے۔

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبَا وَ یُرْبِ الصَّدَقَاتِ۔ (البقرہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود سے برباد کرتا ہے اور صدقات سے ترقی دیتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

ایک مثال:

جن صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے ارشادِ خداوندی کی تعمیل میں انفاق فی سبیل اللہ کیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق دنیا میں پورا پورا بدلہ دیا۔ اور آخرت میں تو ملے ہی گا۔ مثلاً حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ کے چارے اور چولہے کے سوختے کے لئے بار دو تین میل دور سے اپنے سر پر رکھ کر لایا کرتی تھیں۔ مگر تیس سال بعد جب وہ شہید ہو گئے تو ان کا ترکہ پانچ کروڑ سے زیادہ کا تھا جو قطعاً جائز اور پاک آمدنی سے حاصل ہوا تھا۔ جب کہ وہ تمام غزوات میں پیش پیش رہے تھے اور کروڑوں روپے راہِ خدا میں خرچ کئے تھے۔ (۱)

اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ صدقات واجبہ کو قانونی طور پر وصول کرے اور اخلاقی طور پر ملک کے سرمایہ دار طبقہ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دے۔

دولت کا اندازہ:

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ کون شخص اتنی قدرت کا مالک ہے کہ وہ قرضِ حسنہ سے ملکی خسارے کو پورا کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحبِ نصاب لوگ جب سالانہ ایک ہزار روپیہ زکوٰۃ دیتے ہیں تو یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کا کل اثاثہ چالیس ہزار ہوگا۔

اب اگر اس انتالیس ہزار میں سے دو چار ہزار مزید ملک و ملت کی خدمت کر دیتا ہے تو ملک کا اقتصادی بحران خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ ملک کے سرمایہ دار پر قومی اور ملی حق بھی ہے کیونکہ وہ اس ملک کے دیگر مفادات سے مستفید ہو رہا ہے۔ نیز حب الوطن من الایمان ''وطن کی محبت ایمان کا تقاضا ہے۔'' کے تحت ایسا ہر شخص کو کرنا چاہئے کہ وہ اپنی ضروریات سے افزودہ اور فاضل رقم قرضِ حسنہ کے طور پر ملک وملت پر صرف کرے۔ (۱)

قرضِ حسنہ کے شعبے:

زکوٰۃ کے علاوہ صدقات کی اسلامی اصطلاح اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ اسلام دولت مند کو زکوٰۃ دینے کے بعد بھی قومی و اجتماعی انفاق کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کرتا بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

انفاق کے لئے دوسری راہیں بھی کھولتا ہے اور ان کو صدقات اور قرضِ حسنہ سے تعبیر کرتا ہے۔ صدقات کی یہ ذمہ داری دو حصوں پر تقسیم کی گئی ہے۔ ایک انفرادی یعنی کسی متمول فرد کا کسی حاجت مند کی حاجت روائی کے لئے بطور خود انفاق کرنا۔

دوسرا اجتماعی یعنی زکوٰۃ کی طرح قوم کی اجتماعی اقتصادی حالت کی بہتری اور حاجت مندوں کی حاجت کے انسداد کیلئے بذریعہ حکومت خرچ کرنا۔ مثلاً صدقہ فطر، غریب والدین کا نفقہ، غریب اولاد کا نفقہ، جہاد اور رفاہِ عام کے اہم مواقع میں بیت المال کے علاوہ فنڈ کی فراہمی وغیرہ۔

اس مقام کی وضاحت میں بعض کم علم لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ مسلمان دولت مند طبقہ پر زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر کے علاوہ (انفاق) کا کوئی شرعی مطالبہ عائد نہیں کرتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور جس نے بھی ایسا کیا ہے قلت تدبیر کی بنا پر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تصریح ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض حقوقِ مالی غنی کے ذمہ واجب ہیں۔ فرماتے ہیں:

فی مالک حق سوی الزکوۃ وصح عن الشعبی وغیرہ (۲)

تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقالہ:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلی رحمۃ اللہ علیہ جو اس صدی کے مفکر اسلام مانے گئے ہیں جن کی شخصیت ہر طبقہ و فرقہ میں غیر متنازعہ ہے فرماتے ہیں:

> ''غور کرو بلاشبہ عقل و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے درمیان یہ طریقہ لازمی اور ضروری ہونا چاہئے کہ اہل قبیلہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور دردمندی اور بہی خواہی کا ثبوت دیں اور ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا ذاتی نفع اور نقصان سمجھیں اور یہ بات ایسی جبلت اور خلقت کے بغیر ناممکن ہے جس کی پشت پر اس کو مضبوط بنانے کے لئے خارجی اسباب اور اس کو محفوظ رکھنے کے لئے سنت متوارثہ موجود ہو۔ یہاں جبلت تو اس علاقہ کا نام ہے جو باپ اور بیٹے یا مثلاً بھائی بھائی کے درمیان موجود ہے۔ اور اسی طرح دو یا چند عزیزوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ اور اسباب

خارجی باہمی الفت و مودت، رہنمائی، غمگساری، ہمدردی وغیرہ کا نام ہے۔
کیونکہ یہ امور آپس میں محبت پیدا کرتے اور مصائب و آلام میں ایک دوسرے کی اعانت و بصیرت کے لئے بہادر بناتے ہیں۔ اور سنت ان امور کو کہتے ہیں جن کو شریعت کی زبان لوگوں میں رشتۂ اخوت پیدا کرنے کے لئے ضروری قرار دیتی ہے۔ اور اس کے نہ کرنے پر قابل ملامت ٹھہراتی ہے۔ مثلاً وہ حکم دیتی ہے کہ صلہ رحمی ضروری ہے اور ایسا نہ کرنے والا آثم اور گنہگار ہے۔

اگر کوئی شخص ان عمدہ صفات سے بغاوت کرتا ہے تو حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ ان اخلاقی امور کی نگرانی کرے۔"

اب شعبوں کی تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

قرضِ حسنہ کا ایک شعبہ وراثت و ترکہ ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے ورثاء اور قرابت داروں کی معاشی حالت مضبوط ہوتی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا فتح مکہ والے سال اور مرنے کے قریب ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا مال بہت ہے اور میری وارث میری صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنے سارے مال کی راہِ خدا میں وصیت کر جاؤں؟ فرمایا نہیں۔ پھر میں نے کہا کیا دو ثلث مال کی وصیت کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ کیا نصف مال کی وصیت کروں؟ فرمایا نہیں۔ کیا ایک تہائی وصیت کروں؟ فرمایا تہائی کافی ہے اور تہائی بھی بہت ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرهم عالة یتکففون الناس انک لن تنفق نفقة الا اجرت فیها حتی اللقمة ترفعها الی فی امراتک. (۱)

ترجمہ: البتہ ورثاء کو غنی بنا کر چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ وہ تنگ دست رہ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اہل حقوق پر جو بھی تو خرچ کرے گا تجھے اس کا اجر ملے گا۔ یہاں تک کہ اگر ایک لقمہ تو اپنی بیوی کے منہ میں لے جائے گا تو تجھے اس کا بھی بدلہ اور اجر ملے گا۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ورثاء کے لئے مال کو چھوڑ جانا بہت

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

بڑے اجر کا باعث ہے۔ نیز متعدد مرتبہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض رشتہ دار بہت مفلس اور تنگ معیشت والے ہوتے ہیں جب کوئی دوسرا رشتہ دار فوت ہوتا ہے اور اس کا مالِ وراثت تقسیم ہوتا ہے تو وہ بہت بڑے سرمایہ دار ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی معاشی حالت بہت بہتر ہو جاتی ہے۔

اوقاف:

قرضِ حسنہ کے شعبوں میں سے ایک شعبہ وقف بھی ہے۔ وقف کی حکمت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی پیدا کردہ یا دوسرے جائز ذرائع سے حاصل کردہ دولت اپنی ضروریات سے فاضل سمجھتا ہے لیکن دولت کی محبت اور سرمایہ کی فراہمی کا عشق اس کو حاجت مندوں کی اعانت اور جماعت سے غریب افراد کی امداد کی جانب کسی طرح متوجہ نہیں ہونے دیتے اور وہ دولت کو بڑھاتا ہی جاتا ہے۔ لیکن جب اس کا آخری وقت آتا ہے اور وہ موت کے فولادی پنجہ کی گرفت میں آکر مغلوب ہو جاتا ہے تو حسرت اور یاس کے ساتھ اس دولت سے منہ موڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام کہتا ہے کہ موت کے فولادی پنجہ سے قبل اپنی محبوب دولت میں سے کچھ خدا کے نام پر دے جانا چاہئے تاکہ صدقہ جاریہ رہے۔ چنانچہ قرآنِ عزیز میں اس قسم کے انفاق اور جماعتی افادیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

لن تنالوا البر حتٰی تنفقوا مما تحبون (۱)

ترجمہ: تم ہرگز خیر اور بھلائی کو پہنچ نہیں سکتے جب تک خدا کی راہ میں اس چیز کو خرچ نہ کرو، جو تمہارے لئے سب سے پیاری اور محبوب ہے۔

اور داعی انقلاب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کی تشریح اس طرح فرمائی ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثۃ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں مگر تین مستثنیٰ ہیں۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم نافع، اور تیسرا نیک اولاد، جو اس کے لئے دعا گو رہے۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

صدقہ جاریہ کی جس قدر جزئیات علماءِ نے شمار کرائی ہیں ان سب میں وقف اعلیٰ اور مقدم ہے۔ اور اسی لئے سب سے قبل متمول صحابہ کرامؓ نے اس ترغیب پر لبیک کہا اور ملکیت کو وقف کر کے خدا تعالیٰ سے اجر کے طالب ہوئے۔ مثلاً حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے سب سے زیادہ مال دار تھے۔ ان کا سب سے زیادہ محبوب مال بیرحا (کھجوروں کا باغ) تھا۔ مسجد نبوی کے قریب تھا انہوں نے یہ باغ وقف کیا اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر اور اس کے ذخیرۂ خیر کا طالب ہوں۔ نیز حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارضِ خیبر کی جاگیر اللہ کے نام پر وقف فرمائی۔

وقف کا حکم:

وقف شدہ جاگیر کسی کی ذاتی پراپرٹی نہیں رہتی بلکہ رفاہِ عام کا ایک قائم و دائم سرمایہ بن جاتا ہے۔ (۱)

وقف کی اقسام:

وقف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وقفِ اہلی، (۲) وقف خیری۔ وقف اہلی یعنی اولاد پر یا قرابت داروں کیلئے وقف ہو۔ اس میں اولاد اور اقرباء اور جمیع امور خیر شامل ہوتے ہیں اور وقف خیری میں صرف امورِ خیر ہی کے لئے وقف کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقف اہلی میں شمار کیا گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقف وقف علی الخیر کی قسم میں رکھا گیا۔ (۲)

ہبہ:

قرضِ حسنہ کے شعبوں میں سے تیسرا شعبہ ہبہ ہے۔ اجتماعی معاشی نظام میں ہبہ بھی ایک مفید طریق کار ہے۔ بشرطیکہ واہب کا مقصد نیک ہو اور کسی کی حق تلفی بھی نہ کر رہا ہو۔

ہبہ میں اگرچہ فقیر یا حاجت مند کی شرط نہیں بلکہ غنی کو بھی ہبہ کیا جا سکتا ہے مگر اسلام کے معاشی نظام میں صرف اسی شق کا اعتبار ہوتا ہے جس میں غرباء اور حاجت مندوں کی حاجت کا انسداد ہو۔ حدیث شریف میں ہبہ کی ترغیب دیتے ہوئے یہ حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ ہدیہ اور ہبہ کی عادت ڈالو اس سے باہمی محبت اور مودت مستحکم ہوتی ہے۔

تھادوا تحابوا۔ (۱)

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

فقہ اسلامی میں ہبہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

ہبہ کی تعریف:

کسی شئی کو دوسرے کی ملکیت میں بغیر عوض کے دے دینا جو کہ قرضِ حسنہ کی اصطلاحات میں سے ہے۔

حدیث شریف میں اس کی حکمت معاشی وسائل میں اضافہ بتائی گئی ہے۔ ارشاد ہے کہ اگر سوال اور انتظار کے بغیر ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مالی بھلائی کرتا ہے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے اور رد نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس بہانہ سے اس کے لئے مقرر کیا ہے۔ (۲)

بہرحال ہبہ میں بھی اسی صورت کو ترجیح دی گئی ہے جو نیک نیتی سے حاجت مندوں پر ہو۔

وصیت:

قرضِ حسنہ کا چوتھا شعبہ وصیت ہے۔ انسان اپنی زندگی کے لمحات میں موت کی حقیقت سے آگاہ ہونے اور مسلسل مشاہدہ کرتے رہنے کے باوجود اکثر حقوقِ واجبہ و نافلہ سے غافل رہتا ہے۔ لیکن جب یقین ہو جاتا ہے کہ پنجۂ موت نے دبا لیا ہے تب اضطرابی کیفیت کے ساتھ تلاش کرتا ہے کہ کیا اب بھی مکافات کی کوئی شکل ہے تو اس سے بہتر کوئی صورت اسے نظر نہیں آتی کہ کوئی ایسا عمل کیا جائے کہ مرنے کے بعد تا قیامت اس کا اجر ملتا رہے۔ لہٰذا اس عمل کا نام وصیت ہی ہے۔

وصیت کی تعریف:

کسی شئی کو یا اس کے منافع کو بہ طریق حسن سلوک یہ کہہ دینا یا لکھ دینا کہ میری موت کے بعد فلاں کے لئے میری اتنی جائیداد یا مال وصیت ہے۔ غرض وصیت ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ سے ایک متمول اپنی آخری لمحات حیات میں بطور تبرع اور حسن سلوک غرباء اور اہل حاجات کو مالی فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ اور بسا اوقات اس طریق کار سے اہم اور ضروری اجتماعی کام بخوبی انجام

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

پاتے ہیں۔

اس میں بھی یہی شرط ہے کہ موصی غرباء وضرورت مند طبقہ کو ترجیح دے اور کارِ خیر میں وصیت کرے۔

عاریت:

کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضہ کے دوسرے کی ملک بنا دینا اسلامی نقطۂ نظر سے عاریت کہلاتا ہے۔

و اجتمعت الامة علی جوازها واستحبابها و استحسانها لما فيها من اجابة المضطر و اغاثة الملهوف. (۱)

ترجمہ: امت کا اس پر اجماع ہے کہ عاریت نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور مستحب ہے اس لئے کہ اس میں مضطر اور نادار کی حاجت روائی اور اعانت ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ضرورت کی ہر شئی ہر شخص کے پاس نہیں ہوتی اور وہ بھی انسان ہیں جو قوت خرید نہیں رکھتے۔ پس اگر ان کی اعانت کا یہ طریقہ جو عاریت کی شکل میں پیش آتا ہے معاشی نظام کا حصہ نہ بنے اور اس کو رائج کرنے کے لئے اقدام نہ کیا جائے تو باہمی معاشی تعاون کا ایک ضروری حصہ معدوم ہو جائے۔ قرآنِ کریم میں ان انسانوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو ایسے مضطر اور نادار کی اعانت اور امداد سے باز رہے اور اپنی چیز کو عاریت پر دینے سے گریز کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

و يمنعون الماعون

ترجمہ: اور ان کے لئے بھی ہلاکت ہے جو برتنے کی چیز کو عاریت پر نہ دیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔

من كان فی عون اخيه كان الله فی عونه (۲)

جو شخص اپنے بھائی کی امداد میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی امداد میں ہوتا ہے۔

امانت:

ایک شخص اگر نقدی یا مال کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھتا ہے اور امین کو اجازت

دیتا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ تصرف کرسکتا ہے تو یہ بھی ایک اعانت ہے اور حاجت مند کی حاجت کو پورا کرنا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کے افادی پہلو کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔ **الامانة غنی.** یعنی امانت ایک قسم کی رفاہیت ہے۔ اور مشہور محدث ابن اثیرؒ نے نہایہ میں اس جملہ کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ امانت امین کی رفاہیت کا باعث بنتی ہے اس لئے کہ جب اس کی امانت داری کی شہرت ہوگی لوگ کثرت سے اپنے مال کو اس کی امانت میں رکھنے کا اقدام کریں گے اور جب اس کو تصرف کی اجازت مل جائے گی تو یہ اس کی رفاہیت اور فراخی معیشت کا سبب بن جائے گی۔(۱)

خلاصہ:

مذکورہ صورتیں انسانی کفالت کی بہترین صورتیں ہیں۔ جب کہ یہ سب کام ملکی و ملی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور جذبہ خدمت خلق کے طور پر کئے جائیں۔ اسلام میں قرضِ حسنہ کی حیثیت بھی یہی ہے جیسے کہ قرضِ حسنہ کی تعریف سے ظاہر ہے کہ ایک دولت مند کسی ضرورت مند کی ضرورت کے انسداد اور اس کی حاجت روائی کے لئے اس طرح اپنی رقم سے فائدہ پہنچائے کہ اس کا کوئی بدل اس سے حاصل نہ کرے۔ اور چونکہ یہ اخلاقی مسئلہ ہے اس لئے احادیث میں قرض خواہ کو قرضدار کی دعوت قبول کرنے سے احتیاط کا حکم دیا گیا ہے تاکہ عوض خواہی کا قطعاً سدباب ہو جائے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ قرض دار اس لئے قرض خواہ کی دعوت کرتا ہو کہ وہ اپنے قرض کا جلد مطالبہ نہ کرے اور اس حالت میں یہ بھی ایک قسم کا ربوٰ ہو جائے گا۔ الا یہ کہ دونوں کے دریمان اس معاملہ سے قبل بھی اس قسم کے تعلقات قائم ہوں۔ اور چونکہ اس معاملہ میں قرض دار کی جانب سے بددیانتی اور وفاءِ عہد کے فقدان کا زبردست خطرہ ہے اس لئے اس قسم کی اعانت کو واجب نہیں کہا گیا بلکہ خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام کے وعدوں ۔ ساتھ صرف اخلاقی ترغیب ہی پر اکتفاء کیا گیا۔ اور ساتھ ہی قرضدار کو سخت تنبیہ کی گئی کہ قرضِ حسن کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قدرتِ ادا کے باوجود دوسرے کی رقم ہضم کر جائے یا تاخیر کر کے قرض دہندہ کو نقصان پہنچائے۔

ارشادِ نبوی ہے:

مطل الغنی ظلم (۲)

ترجمہ: دینے کی قدرت کے باوجود۔

دوسروں کے حق مطالبہ کی ادا میں تاخیر ظلم ہے۔

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

اَلدَّیْنُ مَقْضیٰ.

ترجمہ: قرض کی بروقت ادا فرض ہے۔

عمل الیه ما اخذت حتی نودی.

ترجمہ: جو کسی نے کسی سے چیز لی ہے جب تک ادا نہ کر لے اس کا بارِ ادا اس پر برابر قائم ہے۔(۱)

قرضِ حسنہ کی علت غائی:

قرآنِ مجید کی آیات جن کا ترجمہ سطور بالا میں گزر چکا ہے بار بار مطالبہ کیا گیا۔ اَقْرِضُوا اللهَ قَرْضًا حَسَنًا کہ اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو اور اس کا مصرف عباداللہ کو بنایا گیا۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرضہ مانگ کر اپنے بندوں پر صرف کرنے کا حکم کیوں دیا؟ ایسا کیوں نہ کر دیا کہ وہ اپنے سب بندوں کو دولت مند بنا دیتا اور سب کا رزق فراخ کر دیتا۔

۱۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہاتھوں سے بندوں کو دلوا کر انسانیت کا مفہوم سمجھا رہا ہے کہ انسانیت انس و محبت کا نام ہے اور انس و محبت کے اظہار کی یہی شکل ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ داد و دہش کا معاملہ کیا جائے۔

۲۔ نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

الانسان کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔(۲)

ترجمہ: انسان کی مثال عمارت کی سی ہے جس طرح عمارت میں ایک اینٹ دوسری کو مضبوط کرتی ہے تو اسی طرح ایک انسان تب ہی انسان بن سکتا ہے جب کہ وہ دوسرے انسان کے ہاتھ مضبوط کرے۔

۳۔ **المومن کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی عینه اشتکی کله و اذا اشتکی رأسه اشتکی کله. (۳)**

ترجمہ: سب مؤمن ایک جسم کی مانند ہیں جب اس کی آنکھ کو درد ہوتا ہے تو سارے جسم کو درد محسوس ہوتا ہے اور جب سر کو درد ہوتا ہے تو اس کے سارے بدن کو درد ہوتا ہے۔

اسی طرح انسان مؤمن کہلانے کا حق دار تب ہی ہوگا جب کہ دوسرے مسلمان کی تکلیف اور حاجت کو اپنی تکلیف اور حاجت سمجھے۔ اور اس کی تکلیف و حاجت کو ایسے ہی دور کرے جیسے اپنی حاجت و تکلیف کو دور کرتا ہے۔

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب (سنن ابوداود و ترمذی)

احساسِ فرض:

یہ حکم دے کہ انسان کو احساسِ فرض دلایا گیا ہے کہ انسانیت رحم دلی ہمدردی، کا نام ہے۔ نہ کہ سنگدلی اور بربریت کا۔ انسانیت خیر خواہی اور برابری کا نام ہے نہ کہ بدخواہی اور جبر و تکبر کا۔

نیز دولت و ثروت جمع و ذخیرہ کے لئے نہیں بلکہ صرف و خرچ کیلئے ہے اور اس کا مصرف صرف ذاتی و انفرادی تعیش نہیں بلکہ اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔ مال کی گردش جمیع طبقہائے انسانی کی حیات کا ذریعہ ہے اور احتکار و اکتناز (جمع کرنا) باعث تباہی و بربادی ارشاد ربانی ہے:

وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ (۱)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ (یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے رکنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے)۔

حقیقی قرض کے احکام:

چونکہ ہمارے مقالے کے عنوان میں لفظ ''قرض'' ایک جزو ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حقیقی قرض کے احکام بھی تحریر کر دیئے جائیں۔ قرضِ حسنہ کو تو استعارۃً قرض سے موسوم کیا گیا ہے حقیقی قرض تو یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو مالی مثلی واپسی کی شرط کے ساتھ دیتا ہے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ قرض کی لغوی اور اصطلاحی تعریف آغازِ مقالہ میں ذکر کر دی گئی ہے۔ اب بقیہ احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

رکن قرض:

اما رکنه فهو الایجاب والقبول والایجاب قول المقرض اقوضتک هذا الشی او خذ هذا الشئی قرضا او نحو ذلک والقبول هو ان یقول المستقرض استقرضت او قبلت الخ (۱)

ترجمہ: قرض کا رکن ایجاب اور قبول ہے۔ ایجاب یہ ہے کہ مقرض (قرض دینے والا) کہے کہ میں نے تجھے یہ چیز قرض دی یا یہ چیز بطورِ قرض لے۔ اور قبول یہ ہے کہ مستقرض (قرض لینے والا) کہے میں نے قرض لیا یا میں نے قرض قبول کیا۔

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود و ترمذی)

لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان الرکن فیه الایجاب و اما القبول فلیس برکن وجه هذه الروایة ان الاقراض اعارة والقبول لیس برکن فی الاعارة. (۲)

ترجمہ: قرض میں رکن صرف ایجاب ہے قبول رکن نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقراض (قرض دینا) اعارہ (کوئی چیز مانگنا) ہے۔ اور اعارہ میں قبول رکن نہیں ہے۔

شرائط قرض:

شرائط قرض مختلف ہیں۔ بعض کا تعلق مقرض (قرض خواہ) کے ساتھ ہے اور بعض کا مستقرض (قرض دار) کے ساتھ اور بعض کا نفس قرض کے ساتھ۔

اما الذی یرجع الی المقرض فهو اهلیة للتبرع.

ترجمہ: وہ شرائط جو قرض خواہ کے ساتھ متعلق ہیں پس وہ اہلیت تبرع ہے۔

یعنی قرض وہی شخص دے سکتا ہے جو دوسرے پر احسان کرنے کا اہل بھی ہو۔ کیوں کہ قرض بھی تبرع ہے اس لئے کہ اس میں فوراً عوض اور بدلہ مطلوب نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرض دینے کا بھی وہی اہل ہوگا جو تبرع کا اہل ہے۔ مثلاً وصی، صبی (بچہ) عبد ماذون (جس غلام کو تجارت کی اجازت دی گئی ہو) مکاتب (جس کی آزادی مال کے ساتھ مشروط ہو) یہ تبرع کے اہل نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ کسی کو قرض دینے کے اہل بھی نہ ہوں گے۔

و اما الذی یرجع الی المستقرض هو القبض و ذلک بالتسلیم الی المستقرض (۱)

ترجمہ: وہ شرائط جن کا تعلق قرضدار کے ساتھ ہے وہ قبضہ کرنا ہے۔ اور قبضہ تب ہوگا جب وہ مال مستقرض کو سپرد کر دیا جائے۔ یعنی اس قرض کے مال پر قرض خواہ قبضہ بھی کر لے تب وہ قرض دار شمار ہوگا۔

۲۔ **و منها ان یکون مماله مثل کالمکیلات والموزونات والعددیات المتقاربة.**

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قرض مثلی چیز سے ہو جیسے مکیلات (وہ اشیاء جو ناپی جاتی ہیں) یا موزونات (وہ اشیاء جو تولی جاتی ہیں) یا عددیات (وہ اشیاء جو گنی جاتی ہیں)۔

کیونکہ اگر وہ چیز مثلی نہ ہوگی تو اس کا واپس کرنا مشکل ہو جائے گا۔ نیز قیمت دینا بھی مشکل ہوگا۔ کیونکہ اشیاء کے تفاوت سے قیمت میں تفاوت ہوتا ہے۔ اور اس طرح معاملہ نزاع تک پہنچے گا۔

اسی بناء پر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روٹی کو قرض پر لینا جائز نہیں ہے۔ (یعنی یوں کہنا کہ مجھے ایک روٹی آج قرض دو کل میں واپس کر دوں گا) کیونکہ روٹی چھوٹی بڑی ہوتی ہے۔ نیز آٹے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اس میں بھی نزاع کا امکان ہے۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ عدداً روٹی کے قرض کو جائز رکھتے ہیں۔ عرف عام کی بنا پر کہ عوام ایسے فرق کو محسوس نہیں کرتے۔

مسئلہ ۲: اخروٹ اور انڈے قرض لے سکتے ہیں اور فلوس (پیسے) بھی قرض لے سکتے ہیں۔ اگر پیسے کھوٹے ہو گئے تو ان کی مثل دیئے جا سکتے ہیں۔

و اما الذی یرجع الی نفس القرض فھو ان لا یکون فیہ جو منفعۃ نحوما اذا اقرضہ دراھم غلۃ علی ان یرد علیہ صحاحا او اقرضہ و شرط شرطاً لہ فیہ منفعۃ لما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن قرض جر فنعا. (۱)

کیونکہ یہ زیادتی مشروط سود کے مشابہ ہوگا۔ اور سود حرام ہے۔

والتحرز عن حقیقۃ الربا او عن شبھۃ للربا واجب.

حقیقی سود اور مشابہ بالسود (جو چیز سود کے مشابہ ہے) سے بچنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر قرضہ میں نفع مشروط نہ ہو اور نہ ہی قرض خواہ کی خواہش ہو۔ مگر قرضدار اپنی طرف سے ادائیگی قرض عمدہ چیز سے کر دیتا ہے تو اس کا کوئی حرج نہیں بلکہ یہ چیز مندوب ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

خیار الناس احسنھم قضاءً

سب سے بہتر شخص وہ ہے جو ادائیگی قرض عمدہ طریقے سے کرتا ہے۔

نیز ارشاد نبوی ہے:

عند قضاء الدین لزمہ للوازن زن راجح. (۲)

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

ادائیگی قرض کے وقت آپؐ نے تولنے والے سے فرمایا کہ ذرا جھکتا وزن کر۔

مسئلہ: قرض میں مدت کی تعیین بھی نہیں ہوتی۔ خواہ شرط لگائیں یا نہ لگائیں۔ بخلاف باقی دیون کے۔ کیونکہ قرض ایک قسم کا تبرع اور احسان ہے۔ اور تبرع میں تأجیل مدت نہیں ہوتی۔ نیز قرض عاریت کے قائم مقام ہے۔ **والاجل لا یلزم فی العواری.** اور مانگی ہوئی اشیاء میں مدت لازمی نہیں ہوتی۔

مسئلہ: ہاں ایک اور صورت ہے جس میں مدت متعین ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص وصیت کرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد ایک سال تک فلاں شخص کو ایک ہزار روپیہ قرض دے دینا۔ اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی۔ اور اس شخص کو وہ قرضہ اس کے مال میں سے دیا جائے گا اور اس کے ورثاء ایک سال سے قبل اس قرضہ کا مطالبہ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔

قرض کا حکم:

و اما حکم القرض فهو ثبوت الملک للمستقرض فی القرض للحال. (۱)

قرض کا حکم یہ ہے کہ قرض دار اس چیز کا فوراً مالک ہو جائے گا اور اس کو اس میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوگا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی سے ایک بوری گندم قرض لی یا ایک لاکھ روپیہ قرض لیا تو اب اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ اور جب ادا کرے تو اس کی مثال دوسری گندم یا رقم دے سکتا ہے۔ اگر وہی چیز بھی پڑی ہو تب بھی دوسری چیز اس کے مثل دے سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ قرض پر صرف قبضہ کرنے سے آدمی مالک نہیں ہوتا جب تک اس کو استعمال نہ کر لے یا ہلاک نہ کر دے۔ لہٰذا اگر وہی چیز موجود ہے تو ادائیگی قرض کے وقت وہی اصلی چیز واپس کرنی ہوگی۔ ہاں اگر ہلاک ہو جائے تو ضمان ہوتی ہے۔ (۲)

مسئلہ: بیس آدمیوں نے ایک شخص سے قرضہ مانگا لیکن قبضہ ایک شخص نے کیا۔ تو یہ شخص سب کی طرف سے وکیل ہوگا۔ لہٰذا ادائیگی سب پر اپنے اپنے حصہ کی ہوگی قرض خواہ صرف ایک شخص سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔

مسئلہ: و فیها استقراض العجین و زنا یجوز و ینبغی جوازه فی الخمیرة بلا وزن سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن خمیرة یتعا طاها الجیران ایکون رب فقال ما راه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن وما راه المسلمون قبیحا فهو عندالله قبیح. (۱)

ترجمہ: آٹا قرض لینا تول کر جائز ہے اور گندھا ہوا آٹا بھی قرض لیا جا سکتا ہے۔ بلاوزن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ پڑوسی ایک دوسرے سے گوندھا ہوا آٹا قرض لے لیتے ہیں تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا جس کو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حسن ہے۔ اور جس کو مسلمان برا سمجھیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔"

دَین کے احکامات:

گزشتہ صفحات میں قرض اور دَین میں فقہی فرق تحریر کیا جا چکا ہے مگر عام اصطلاح میں قرض اور دَین مترادف سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ قرض اور دَین ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ دَین اور قرض میں عموم، خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ دَین عام ہے، قرض خاص ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

یغفر لشهید کل ذنب الا الدین (۲)

ترجمہ: قرض کے سوا شہید کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ان حدیث میں ہر قسم کے قرض شامل ہے مالی ہو یا نقدی، تجارتی ہو یا غیر تجارتی۔ اور اکثر باتوں میں دَین اور قرض مساوی شرائط رکھتے ہیں۔ جو احکام دَین کے ہیں وہ قرض کے بھی ہیں۔ دَین کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ (۳)

ترجمہ: اے اہل ایمان جب لین دین میں ایک مقرر مدت کے لئے ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

تشریح:

اس مکمل آیت میں قرض داروں اور قرض خواہوں کو نزاع سے بچانے کے لئے یہ ہدایات دی ہیں۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

اول: جب کسی قرض کا لین دین بقید مدت ہو تو اس کی دستاویز لکھ لی جائے۔

دوم: دستاویز لکھنے والا انصاف سے لکھے۔

سوم: لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے۔

چہارم: اگر قرض لینے والا کم عقل یا ضعیف ہو تو اس کا ولی اس کام کو سرانجام دے۔

پنجم: معاملہ پر دو گواہ ضرور بنانے چاہئیں۔

ششم: یہ دو گواہ مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔

ہفتم: گواہ مسلمان ہوں، بالغ ہوں، پسندیدہ اخلاق کے مالک ہوں۔

ہشتم: گواہ گواہی دینے سے گریز نہ کریں۔

نہم: ادھار کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی ضرور دستاویز لکھنی چاہئے۔

دہم: کاتب یا گواہ کو عاقدین کوئی فرد پہنچانے کی کوشش نہ کریں وہ تو اجتماعی خدمت انجام دیتے ہیں۔

حصول ملکیت کے چار ذرائع :

۱۔ اول یہ کہ قیمت بھی موجود ہو اور مبیعہ بھی موجود ہو۔ اس کو تجارت حاضرہ کہتے ہیں۔ یہ بالاتفاق جائز ہے۔

۲۔ نہ قیمت موجود ہو اور جس چیز کو خریدا جا رہا ہے وہ موجود ہو۔ یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

۳۔ قیمت موجود مگر چیز موجود نہ ہو۔

۴۔ چیز موجود ہو، قیمت موجود نہ ہو۔

ان دونوں صورتوں میں۔

(۱) یہ کہ دستاویز لکھ لی جائے، (۲) مدت مقرر کر لی جائے اور میعاد بھی واضح ہو۔ مبہم نہ ہو۔ تاریخ، ماہ، سن، یوم، کی وضاحت کر دی جائے ورنہ نزاع کا خطرہ ہے۔

دستاویز لکھانا قرضدار کی ذمہ داری ہے:

دستاویز کا ماحصل کسی حق کا اپنی طرف اقرار کرنا ہے۔ یہ اسی کو کرنا چاہئے جس کے ذمہ کوئی حق واجب الادا ہے۔ یہاں دو شخص ہیں ایک لینے والا، دوسرے دینے والا، لینے والا من علیہ

الحق. اور دینے والا من له الحق ہے۔ یا لینے والا مدیون، اور دینے والا دائن ہے۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ قرض خواہ تحریر لکھ کر رکھتا ہے، قرض دار کو پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ ۔

یہ الٹی ہی گنگا عجب چل رہی ہے

۲۔ دستاویز لکھواتے وقت خوفِ خدا بھی پیشِ نظر رہے۔ کہیں کمی بیشی نہ کر دی جائے۔

کتابت کی افادی حیثیت:

جن معاملات میں لکھنے کا عرف ہو اس کے لکھنے میں کسی قسم کی کاہلی اور سستی نہ کرنی چاہئے۔ یہ اسلام کی اقتصادیات کا ایک اہم اور بنیادی قاعدہ ہے۔ معاملاتی فساد، افراد کے اخلاقی اور روحانی ارتقاء میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اس صورت میں فرد کی اخلاقی ترقی کے مواقع کم ہو جاتے ہیں۔ بعض روحانی مفاسد کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں معاشی اور اقتصادی طاقت کا انحصار افراد کے ہاتھوں میں ہو اس طرح کی روحانی و اصلاحی تدابیر بہت زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔ اس لئے قرآنِ مجید میں کتابت کی افادیت اجاگر کی گئی ہے۔

۱۔ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ یعنی اللہ کے نزدیک یہ زیادہ انصاف والی بات ہے۔ یعنی ایک کا حق نہ دوسرے کے پاس جائے گا اور نہ آئے گا۔ اور کتابت کی راہ سے عدل و انصاف کو پروان چڑھنے کا موقع ملے گا۔

۲۔ اَدْنٰی اَنْ لَّا تَرْتَابُوْا. یعنی اس میں شک کا امکان کم رہے گا۔ گویا اہل معاملہ کا جی صاف رہے گا۔

۳۔ اقوم للشھادۃ۔ گواہی زیادہ محکم اور پائیدار رہے گی اور گواہی آسان رہے گی۔

رہن اور قرض:

اگر سفر میں قرض اور ادھار کا معاملہ کرنا ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو قرض کے عوض کوئی چیز مدیون کو اس کے پاس رکھ دینی چاہئے۔ چونکہ سفر میں قرض کی زیادہ حاجت رہتی ہے۔ اس لئے قرآنِ مجید میں سفر کی قید لگائی گئی۔ مگر یہ قید اتفاقی ہے۔ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ جس طرح رہن سفر میں جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی جائز ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

و ان كنتم على سفر ولم تجدوا كاتبا فرهن مقبوضة (۱)

ترجمہ: اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو اس صورت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز رہن رکھ کر اس کا قبضہ دے دیا جائے۔

نیز معاملہ رہن کے لئے یہ شرط بھی نہیں ہے کہ جب دستاویز لکھنا ممکن نہ ہو صرف اس صورت میں رہن کا معاملہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک صورت ممکن ہے کہ جب دستاویز لکھنے پر کوئی قرض دینے پر آمادہ نہ ہو تو قرض کا طالب اپنی کوئی چیز رہن رکھ کر روپیہ لے لے۔ لیکن قرآنِ حکیم چونکہ اپنے پیروؤں کو فیاضی کی تعلیم دیتا ہے اور یہ بات بلند اخلاق سے فروتر ہے کہ ایک شخص مال رکھتا ہو اور وہ ایک ضرورت مند آدمی کو اس کی کوئی چیز رہن رکھے بغیر قرض نہ دے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ رہن بالقبض کا مقصد صرف یہ ہے کہ قرض دینے والے کو اپنے قرض کی واپسی کا اطمینان ہو جائے۔ اسے اپنے دیئے ہوئے مال کے معاوضہ میں شئ مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل نہیں۔ یا اس کا کرایہ کھاتا ہے تو دراصل سود کھاتا ہے۔ قرض پر براہِ راست سود لینے اور رہن لی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے میں اصولاً کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ: راہن اگر دیوالیہ ہو جائے اور اس کے سرمایہ میں مرہونہ چیز کے سوا کچھ نہ ہو تو یہ مرتہن ہی کا حق ہوگا۔ باقی قرض خواہوں کو اس میں مداخلت کی اجازت نہ دی جائے گی۔ ہاں اگر مرہون کو فروخت کرنے کے بعد مرتہن کا قرض ادا ہو کر کچھ بچ جائے تو اس کو باقی قرض خواہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

قرض کو رہن نہیں رکھا جا سکتا:

رشید کے دو ہزار روپے بذمہ حمید قرض ہیں۔ رشید ان دو ہزار کو رہن رکھ کر کوئی چیز لینا چاہے، یہ بھی بالاتفاق ناجائز ہے کہ قرض جب تک قرض ہے اس کا قبضہ نہیں مل سکتا۔ قبضہ دَین نہیں عین میں ہوتا ہے۔ اس لئے قرض رہن نہیں رکھ سکتا۔

قرض اور ہدیہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس قرض سے منع فرمایا جو نفع آور ہو اور نفع کو سود قرار دیا ہے۔ اسی بنیاد پر قرض خواہ کو قرضدار سے ہدیہ قبول کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔ چنانچہ اس پر حافظ

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

ابن القیمؒ نے سنن ابن ماجہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جس میں یحییٰ بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کچھ پیسے قرض دیتا ہے اور قرض دار کچھ سوغات و ہدیہ ہمیں روانہ کر دیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو قرض دو اور قرض دار تمہیں ہدیہ یا سواری پیش کرے تو قبول نہ کرو۔ ہاں اگر پہلے سے تمہارے تعلقات ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

نیز صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بردہ کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ پہنچا تو عبداللہ بن سلام سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے کہا، آپ تو ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں سودی کاروبار عام ہوتا ہے۔ اگر آپ کا کسی کے ذمہ کوئی قرض ہو اور وہ آپ کو انجیر، جَو وغیرہ پیش کرے تو ہرگز نہ لینا کیونکہ یہ سود ہے۔ (۱)

قرض اور سود:

وہ قرض جو ضروریاتِ زندگی اور غیر کاروباری اغراض کے لئے لئے جاتے ہیں اس پر تو سود لینا الم نشرح ہے یعنی سب حرام اور ظلم سمجھتے ہیں۔ لیکن کاروباری اغراض کے لئے قرض لینے پر سود کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ہم اس مسئلے کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ خواہ قرض پیداواری ہو یا غیر پیداواری، اغراض زندگی میں صرف کر دیا گیا ہے یا کاروبار میں لگا دیا گیا، سب پر سود لینا حرام ہے۔ اس میں حکمت کی وجہ یہ ہے کہ کاروبار میں نفع اور نقصان دونوں کا امکان رہتا ہے۔ جب سرمایہ کا کاروبار میں لگنا لازماً نفع کے لئے نتیجہ خیز نہیں تو یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ اس سرمایہ پر بہرصورت ایک متعین نفع کا مطالبہ کیا جائے۔ نفع آوری سرمایہ کی ذاتی اور لازمی صفت نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جس کاروبار میں سرمایہ لگایا جاتا، ضرور نفع ہوتا۔ مگر ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ نفع کا انحصار آمدنی پر ہے نہ کہ پیداوار کی مقدار پر۔ یہ پیداوار بازار میں فروخت ہو سکے گی یا نہیں۔ کس قیمت پر فروخت ہوگی اور مجموعی لاگت کے مطابق نفع کتنا ہوگا، اس کی کوئی خبر نہیں ہے لہٰذا اس پر سود لگانا بھی غیر معقول ہوگا۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

اس صورتِ حال پر غور کیجئے کہ جب کاروبار میں خسارہ ہوا ہو ایک طرف تو قرض دار کو قرض کی واپسی کا انتظام کرنا ہے اور دوسری طرف کاروباری خسارہ کو بھی پورا کرنا ہے۔ اس پر ہم مزید سود کا بھی بوجھ لاد دیں تو یہ ظلم ہوگا۔

مجھے بتائیے کہ کیا ایسی صورت میں قرض خواہ اپنے قرض کے مطالبہ سے رک جاتا ہے یا نہیں یا اپنے قرض کی مقدار میں کمی کرتا ہے؟ تو جواب نفی میں ملے گا۔ لہٰذا قرض دار کو جب نفع ہوتا ہے جو کہ اس کی رات دن کی سعی و جدوجہد کا ثمرہ ہے تو اس ثمرہ میں بھی کسی کو شریک ہونے کا حق نہیں پہنچتا۔ قرض چونکہ تبرع و احسان ہے اس لئے اس احسان کی جزاء رب ذوالجلال خود دیں گے۔

ولا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی (البقرہ)

ترجمہ: اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر بیکار نہ کرو۔

نفع کمانے کے بارے میں اصولی حقیقت:

ہاں نفع و نقصان میں شراکت ہو تو پھر قرض کا نفع بھی لیا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ شرط لگائی جائے کہ نفع ہوگا تو نفع میں بھی برابر کا شریک ہوگا اور اگر نقصان ہو تو نقصان میں بھی برابر کا شریک ہوگا تو قرض کا نفع لے سکتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''فائدہ نقصان اٹھانے کی ذمہ داری کے ساتھ وابستہ ہے۔''

یہ حدیث ابوداؤد میں ہے۔

ایک دوسری حدیث ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک ہی معاملہ میں ادھار لینا اور تجارتی سودا کرنا جائز نہیں۔ نہ ایک تجارتی معاملہ میں دو مختلف شرطیں کرنا درست ہے اور نہ اس چیز کا نفع لینا درست ہے جس کے نقصان کی ذمہ داری تم نے نہ لی ہو اور ایسی چیز کی فروخت بھی صحیح نہیں جو تمہارے پاس نہ ہو۔ (۱)

قرض پر سود کے معاشی نقصانات:

قرآن کا دعویٰ ہے کہ سود معاش اور عقلی نقطۂ نظر سے انسانی معیشت کیلئے تباہ کن ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"سود پر قرض لینے والے عام طور پر مفلس اور مضطر ہو جاتے ہیں اور یہ کاروباری دنیا میں سنگین جھگڑوں اور عظیم مناقشوں کا باعث بنتا ہے اور جس قوم یا ملک میں بے محنت روپیہ حاصل کرنے کا رواج پڑ جاتا ہے وہاں عوام پر صنعت وحرفت، زراعت وتجارت کی صحیح راہیں بند ہو جاتی ہیں۔" (۲)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اسی طرح کے ریمارکس دیئے ہیں۔ امام فخر الدینؒ نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ

"قرض پر سود اس لئے لیا جاتا ہے کہ اگر وہ مال اصل مالک کے پاس ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اس سے تجارت کے ذریعہ نفع حاصل کر سکتا۔ اب جب کہ اس مدت میں اس کے پاس نہ رہا تو وہ اس مال سے نفع سے مجبور رہا ہے لہٰذا اس کا حق ہے وہ نفع جو قرض دار نے کمایا ہے اس میں سے قرض خواہ کو بھی دے۔"؟

جواب:

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کیا تم اس بات کی ضمانت دے سکتے ہو کہ اگر وہ مال قرض خواہ کے پاس ہوتا تو ضرور اس کو نفع ہوتا یا وہ مال محفوظ ہوتا اس کے پاس بھی امکان ہے کہ وہ مال چوری ہو جاتا یا ہلاک ہو جاتا۔ یا تجارتی خسارہ ہو جاتا۔ یقیناً جواب نفی میں ہے۔ اس لئے وہ نفع کا حقدار نہیں ہو سکے گا۔

بلکہ قرض دینے سے اس کا اصل سرمایہ ان خطرات سے محفوظ ہو گیا۔ کیونکہ قرض دار کو نفع ہو یا نقصان اس نے اصل قرض واپس کرنا ہے۔ (۱)

دوسرا معاشی نقصان:

اس کا دوسرا معاشی نقصان یہ ہے کہ اس طرح غریب طبقہ کی رہی سہی قوت خریداری، سرمایہ دار اور ساہوکار، غصب کر لیتا ہے۔ لاکھوں آدمیوں کی بیروزگاری اور کروڑوں آدمیوں کی ناکافی آمدنی پہلے ہی تجارت اور صنعت کے فروغ میں مانع ہے اس پر مستزاد یہ کہ وہ طبقہ اس کو اشیاء

کی خریداری پر صرف کرنے کی بجائے سوسائٹی کے سر پر مزید سود طلب قرض پر چڑھانے میں استعمال کرنا ہے۔ فرض کیجئے اگر دنیا میں پانچ کروڑ آدمی ہوں اور وہ ماہانہ دس روپے سود ادا کرتے ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ماہ پچاس کروڑ روپے کا مال فروخت ہونے سے رہ جاتا ہے اور اتنی بھاری رقم معاشی پیداوار کے پلٹنے کے بجائے مزید سودی قرضوں کی تخلیق میں صرف ہوگی۔

اس لئے اسلام نے انسان کو قرضِ حسنہ کی ترغیب دی ہے اور سود پر قرض لینے کو منع فرمایا۔ کیونکہ قرض حسنہ سے انسان کی معاشی حالت مضبوط ہوتی ہے اور صنعت و تجارت ترقی کرتی ہے۔ اور ملک اقتصادی بحران سے نکل جاتا ہے اور سود سے معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ صنعت و تجارت ترقی نہیں کرسکتی اور ملک مزید اقتصادی بحران میں مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہمارا ملک اس کے لئے واضح ترین مثال ہے۔

چونکہ میرا عنوان سود کی حیثیت بتانا نہیں اس لئے اس کو طول دینا مناسب نہیں۔ بہرحال رباء القرض کے مفاسد واضح ہو گئے ہیں اس لئے ہمیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

پیش کش .... ﴿پیش کش﴾ .... پیش کش

مجلسِ ادارت مجلّہ فقہ اسلامی ان تمام لکھنے والوں کو فی مضمون مبلغ ۵۰۰ سے ۱۵۰۰ روپے تک اعزازیہ پیش کرے گی جو اس مجلّہ کے لئے جدید فقہی مسائل پر تحقیقی مضامین تحریر فرمائیں گے۔

مضمون کے علمی و تحقیقی ہونے اور مجلّہ فقہ اسلامی میں اشاعت کے قابل ہونے کا تعین محققین / علماء کرام کی ایک کمیٹی کرے گی۔ مضمون پہلے کسی رسالہ، اخبار، کتاب، یا مجلّہ میں شائع نہ ہوا ہو نہ کسی کانفرنس یا سیمینار، یا ریڈیو یا ٹی وی وغیرہ میں پڑھا گیا ہو۔ مجلّہ فقہ اسلامی میں اشاعت کے بعد مضمون نگار کو اس کی کہیں بھی اشاعت کا حق حاصل ہوگا۔

مضمون کی ضخامت، معیار اور محنت کے لحاظ سے اعزازیہ کی رقم کا تعین بھی کمیٹی کرے گی۔ غیر فقہی مضامین قبول نہیں کئے جائیں گے۔ (مجلسِ ادارت)